حضرت العلامہ مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی مدظلہ

مولانا حسین احمد مدنیؒ اور علامہ اقبالؒ

اقبالی مجرموں کو انتباہ

پیش نظر مضمون کے سلسلہ میں حضرت قاضی صاحب مدظلہ کے فکر انگیز مکتوب کا ایک اقتباس

میں نے وہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا جب موسم گرما میں حضرت مدنیؒ اکوڑہ خٹک تشریف لائے اور پرانے حقانیہ پرائمری سکول (جو شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ نے قائم فرمایا تھا ان کے عین حیات ثانی کا درجہ حاصل کرلیا اور علاقہ بھر کی مقبول تعلیم گاہ قرار پائی) میں تشریف فرما ہوئے اب یہ ساری ترقیاں ان کے قدموں کی برکت ہے ورنہ جن لوگوں نے پاکستان میں دیوبند کے نام سے اپنے مدارس کی ابتدار کی تھی آج اپنے بانی مرحومین کے ساتھ وہ بھی مرحوم ہو گئے ۔ اس کی وجہ پر غور فرمادیں ۔ فافہم و تدبّر (محمد زاہد الحسینی)

آج سے تقریباً ۲۵ سال قبل شیخ العرب والعجم اسیر مالٹا مولانا حسین احمد مدنی نے دہلی میں ایک تقریر فرمائی جو دلی کے اخبار الامان میں کافی ردوبدل کے ساتھ شائع ہوئی ۔ اور اسے روزنامہ احسان لاہور نے بھی شائع کردیا جس کو پڑھ کر علامہ اقبال نے چند اشعار کہہ ڈالے ۔ حقیقت حال پر مطلع ہو کر اپنے اشعار سے رجوع فرمالیا اور اس رجوع کے ۲۳ دن بعد علامہ انتقال فرما گئے ۔ ان کے آخری کلام کا مجموعہ بہ نام ارمغان حجاز ان کی وفات کے بعد شائع ہوا تو ان اشعار کو بھی اس مجموعہ کے آخر میں درج کردیا جو آخری ایڈیشن ۱۹۸۶ء تک شائع ہو رہے ہیں ۔ اقبالی مجرم گاہ بگاہ اپنے مضامین میں ان کو شائع کر دیتے ہیں جس کے لئے وطن کے ایک نامور روزنامہ (جو صلح کن اور عاقبت اندیش اور پاکستانی قوم کا مخلص ہونے کا دعویدار رہے) نے اپنے اوراق وقف کر رکھے ہیں

حال ہی میں ۹ نومبر کو اقبال اڈیشن میں ایک عورت کا مضمون شائع ہوا جس کا مفصل جواب اور علامہ اقبال کے افکار کا تجزیہ عنقریب کتابی شکل میں شائع کیا جائے گا۔ فی الحال آغا شورش کاشمیری نور اللہ مرقدہ کا ایک انتہائی مضمون جو بہ عنوان

مولانا حسین احمد مدنی اور علامہ اقبال
عادی مجرموں کی زبان درازیاں

شائع شدہ چٹان مورخہ ۲۴ مارچ ۱۹۷۵ء شائع کیا جا رہا ہے۔ حضرت مدنی کے خدام نے نصف صدی صبر اور تحمل سے کام لیا مگر ان اقبالی مجرموں نے ہمیں مجبور کر دیا ہے کہ اپنے آقا کے دفاع میں قلم اٹھائیں اور ان شاء اللہ اس قلم کا جواب ان اقبالی مجرموں کے بس کا روگ نہ ہوگا۔ ابھی تک ہمارا وطیرہ یہی تھا ؎

سکوت آموز طول داستان دردے ورنہ
زباں بھی ہے ہمارے منہ میں اور تاب سخن بھی ہے

علامہ اقبال کی روح سے معذرت کے ساتھ۔

(از جاروب کش آستانہ مدنی قاضی محمد زاہد الحسینی غفرلہ)

یہ اُس زمانے کا ذکر ہے جب تحریک پاکستان کا آفتاب نصف النہار پر تھا۔ ان دنوں دہلی میں مسلم لیگ کا ایک جلسہ عام تھا۔ کسی نہ کسی طرح لیگ کے مقامی راہنما مولانا محمد الیاس بانی تبلیغی جماعت کو جلسہ میں لے آئے۔ خوب دھواں دار تقریریں ہوئیں۔ تقریباً تمام یاوہ گو مقرروں نے مولانا حسین احمد کے خلاف انتہائی گندہ زبان استعمال کی اور اس طرح اپنا نقطہ نگاہ پیش کیا۔ یہی ان کا سرمایہ تھا اور شاید وہ اس کے سوا کچھ جانتے ہی نہ تھے۔ ان کا خلاصہ بیان اس پر ختم ہوتا کہ شیخ الاسلام حسین احمد مدنیؒ نہیں مولانا محمد الیاس ہیں اور ان کی تعریف میں دو چار زور دار کلمات کہہ کر اپنی تقریر ختم کر دیتے۔ آخر میں مولانا محمد الیاس نے خطاب کیا اور صرف چند کلمات کہہ کر اپنی تقریر ختم فرما دی۔ مولانا نے فرمایا کہ:

"مولانا حسین احمد کی سیاسی رائے میری سمجھ سے بالا ہے اگر میں اُس سے اتفاق کرتا تو ان کی کفش برداری کرتا لیکن میں حضرت مدنی کی ذات کے خلاف کوئی کلمہ اپنی زبان پر لا کر جہنم کی آگ خریدنا نہیں چاہتا کیونکہ میں اللہ کے نزدیک اُن کے مرتبہ سے آگاہ ہوں۔ اس قسم کا حوصلہ وہی نوجوان کر سکتے ہیں جو حسین احمد کے درجہ و مقام سے واقف نہیں ہیں اور نہ قرآنی اخلاق کے اسلامی حدود سے بہرہ ور ہیں۔"

مولانا عبدالماجد دریابادی مولانا حسین احمد مدنیؒ سے بیعت ہونا چاہتے تھے لیکن مولانا مدنیؒ نے ان کی طبیعت کا اندازہ کرتے ہوئے انہیں مولانا اشرف علیؒ تھانوی سے بیعت ہونے کا مشورہ دیا اور وہ ان کے حلقہ میں شامل ہو گئے

مولانا شبیر احمد عثمانی مسلم لیگ کے حلقۂ سیاست میں شیخ الاسلام تھے۔ اُن کا مرتبہ و مقام بھی ڈھکا چھپا نہیں۔ جب کبھی ان سے مولانا مدنی کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے عموماً یہی کہا کہ مدنی صداقتِ اسلام کی دلیل ہیں۔

حضرت مفتی محمد شفیع بفضلِ تعالیٰ بقیدِ حیات ہیں اور زمانۂ دیوبند سے مسلم لیگ کے طرفدار ہیں۔ انہوں نے تحریک پاکستان کی خدمت کی ہے۔ اُن سے پوچھیئے کہ مدنی غیرتِ اسلام کی دلیل تھے اور فقرِ اسلام کا نمونہ یا ملّتِ اسلامیہ کے غدّار تھے؟ اور ہندوؤں کے اجیر۔

مولانا احتشام الحق تھانوی سے دریافت کر لیجیئے کہ مولانا حسین احمد مدنی آیاتِ الٰہی میں سے تھے یا ہندوؤں کے ایجنٹ تھے۔ جن دوستوں نے چٹان کو لگاتار اپنے مطالعہ میں رکھا ہے انہیں یاد ہوگا۔ ہم نے دس پندرہ سال پہلے جالندھر کے ایک راسخ العقیدہ لیگی نوجوان ڈاکٹر مولوی محمد اکرام الحق مرحوم کی زندگی میں اُن کی اس روایت کو لکھا تھا کہ مولانا مدنی جالندھر اسٹیشن سے ٹرین میں جا رہے تھے تو لیگ کے دو نوجوان اُن کے ڈبے میں گھس گئے۔ ایک نے مولانا کی داڑھی پکڑ لی دوسرے نے اُس پر تھوکا۔ مولانا مدنی نے آہ تک نہ کی۔

یہ روایت ان نوجوانوں نے جالندھر مسلم لیگ کے صدر مولانا عظامی کو سنائی۔ تو مولانا عظامی نے ان نوجوانوں سے کہا۔ بڑ ہانک رہے ہو یا واقعی تم نے ایسا کیا اور اس پر فخر کر رہے ہو؟ جب دو نوجوانوں نے تصدیق کی کہ فی الواقعہ وہ یہ کر آئے ہیں۔ تو مولانا عظامی نے کہا۔ اپنے رب سے معافی مانگو۔ مدنی اہل اللہ میں سے ہے اس نے مدتوں روضۂ رسول ﷺ کی پلکوں سے جاروب کشی کی۔ اور آستانۂ اقدس کے سامنے بیٹھ کر حدیث پڑھائی ہے۔ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے مدنی کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے وہ پانی میں ڈوب جائیں گے یا انہیں آگ چاٹ لے گی۔ ڈاکٹر اکرام الحق راوی تھے کہ ان دو نوجوانوں میں سے ایک تقسیم کے وقت دریائے بیاس کی نذر ہو گیا اور دوسرا پاکستان میں آ کر پولیس کی معرفت ایک لیگی لیڈر ہی کے ہاتھوں آگ کی بھٹی میں پھینک دیا گیا اور بھسم ہو گیا۔

یہ اتنی واضح اور بین شہادتیں ہیں کہ اس کے بعد اگر کوئی بدکردار اور بدقماش قلم کار مولانا مدنی کی شان میں گستاخی کرتا اور قائدِ اعظم کی آڑ لے کر انہیں یا ان کے ساتھیوں کو اجیر علماء لکھتا ہے تو حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک بدبخت انسان ہے اور اسے اپنے نفس کی غلاظتوں پر ساری دنیا کا قیاس ہوتا ہے۔ اس قسم کے لوگوں سے دنیا کبھی خالی نہیں رہی۔ چراغِ مصطفوی پر شرارِ بولہبی نے ہمیشہ رکیک حملے کیے ہیں۔ جو لوگ اپنے دل میں خدا کا خوف رکھتے ہوں وہ اس قسم کی باتیں نہیں کرتے۔ اِس ژاژخائی کا حوصلہ صرف انہی لوگوں کو ہوتا ہے جنہیں اپنے بارے میں معلوم نہ ہو کہ وہ کس مٹی کا پتلا ہیں؟

آج دنیا میں نہ قائدِ اعظم رہے نہ علامہ اقبال۔ نہ مولانا حسین احمد مدنی اور نہ مولانا ابوالکلام آزاد وہ پرانی بساط تمام تر لپٹ چکی ہے اب ان سب کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے لیکن ان اکابر کی موت کو سالہا سال گذر جانے کے بعد

بھی جو لوگ ایک کی آڑ میں دوسرے کو برا کہتے ہیں وہ بہرحال انسان نہیں ہیں۔ گو اس قسم کے افراد گنے چنے ہی ہیں مثلاً صحافیوں میں قادیانی امت کے دسترخوان کا ایک زلہ ربا تن تنہا اس طرز کا ہذیان بکنے میں پیش پیش ہے اور اکثر و بیشتر آڑ یہ لی جاتی ہے کہ علامہ اقبال نے مولانا حسین احمد مدنی کے متعلق درج ذیل قطعہ لکھا تھا۔

عجم ہنوز نداند رموزِ دیں ورنہ
زدیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجمی است
سرود بر سرِ منبر کہ ملت از وطن است
چہ بے خبر ز مقامِ محمد عربی است
بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است

اشعار بالا ارمغانِ حجاز کے آخر میں درج ہیں۔

علامہ اقبال نے ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کو انتقال فرمایا۔ ارمغانِ حجاز نومبر ۱۹۳۸ء میں شائع ہوئی۔ علامہ اقبال زندہ ہوتے اور ارمغانِ حجاز ان کی ترتیب و تدوین سے شائع ہوتی تو یہ اشعار اس میں کبھی نہ ہوتے۔ علامہ اقبال شخصیات کی مدح و قدح سے بالا بلند تھے۔ اور عمر کے آخری دور میں یہ چیزیں ان کے تصور ہی سے عنقا ہو چکی تھیں انہوں نے اس طرز کے تمام اشعار اپنے کلام سے ہمیشہ خارج کر دیئے اگر مرتبین اتنے ہی دیانتدار تھے تو انہیں کم سے کم مولانا محمد علی جوہر کا مرثیہ ارمغان میں ضرور شامل کرنا چاہیئے تھا۔ جو ایک روزنامے ہی کے صفحۂ اول پر شائع ہوا اور ملک کے تمام اخباروں نے نقل کیا اور شاید کوئی دوسرا مرثیہ اس پائے کا نہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی چیزیں ہیں جو وقتی سیاست کے ساتھ تعلق رکھتی تھیں۔ اور علامہ اقبال ہی کے قلم سے نکلی ہیں۔ مثلاً حضرت علامہ نے علی برادران کی رہائی پر جو اشعار لکھے وہ مسلم لیگ کے اجلاس عام منعقدہ امرتسر میں پڑھ کر سنائے۔ لیکن بانگ درا میں جب کہ ان کا ابتدائی دور تھا شائع کیئے تو علی برادران کا ذکر نہ کیا اسی طرح مہاتما گاندھی کی تعریف میں چھ اشعار لکھے جس میں انہیں مرد پختہ کار و حق اندیش و باصفا سے مخاطب کیا وہ اشعار ۱۳ نومبر ۱۹۲۱ء کے زمیندار میں چھپ چکے ہیں علامہ اقبال اپنی عمر کے آخری ایام میں قائداعظم کے ساتھ تھے لیکن ۹ نومبر ۱۹۲۱ء کے زمیندار میں محمد علی جناح سے بھی پانچ شعروں میں چٹکی لی۔ اسی طرح پہلی جنگ عظیم میں علامہ نے دہلی کی وار کانفرنس میں نوبند کا ایک مسدس لکھ کر سنائی جس میں شہنشاہ انگلستان سے متعلق دو بند قصیدے کا انتہائی غلو رکھتے ہیں۔ جب یہ تمام نظمیں شاعرانہ محاسن کے باوجود علامہ نے اپنے کسی مجموعے میں شامل نہیں کیں تو مولانا حسین احمد سے متعلق تین اشعار کا ارمغان حجاز میں شامل کیئے جانا فی الواقعہ سیاسی بدمذاقی اور ذہنی حادثہ ہے۔ اس صورت میں یہ اشعار اور بھی افسوسناک معلوم ہوتے ہیں کہ

(باقی ص ۲۸ پر)